

۲۷، ۲۸ کی رویت ہلال

(فرامینِ امام احمد رضا اور زیجات کی روشنی میں)

تحریر

خلیفہ حضور مفتی اعظم، امام علم و فن

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، انڈیا

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: +92 332 3531226

fb.com/ilmetauqeet

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

کچھ اہل قلم اپنے مضامین میں لکھتے اور اہل خطابت اپنی تقریروں میں بیان کرتے ہیں کہ جنرل ایوب خاں کے دور حکومت میں پاکستان میں تشکیل دی ہوئی ہلال کمیٹی بذریعہ ہوائی جہاز ہلال کا مشاہدہ کر کے شہادت پیش کرتی تھی اور پاکستان میں اسلامی عبادات و تقریبات اسی شہادت کی بنیاد پر منائی جاتی تھیں، مگر جب غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کا یہ فتویٰ وہاں پہنچا تو ہلال کمیٹی تحلیل کر دی گئی، اس فتویٰ کی عبارت بحوالہ مقالات نعیمی، حصہ اول، ص ۷۷ اور ج ذیل ہے:

چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شہادت شرعی پر قاضی حکم شرع دے گا، چاند کو سطح زمین، یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو وہاں سے دیکھنا چاہیے، رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے، کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷، ۲۸، کو بھی نظر آ سکتا ہے، تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا، ایسی حالت میں جہاز سے ۲۹ کا چاند دیکھنا کب معتبر ہوگا۔‘

اور تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۵۱۴ پر ہے کہ ”جب یہ فتویٰ پاکستان گیا تو پورے ملک میں ہلچل مچ گئی اور تمام اخباروں میں اس کو جلی خط میں شائع کیا گیا، اگلے مہینے میں حکومت کی طرف سے ۲۷/۲۸ رتاریخ کو جہاز کے ذریعے اس بات کی تصدیق کر لی گئی تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آیا، تب حکومت نے حضرت کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی۔“

مندرجہ بالا فتویٰ اور پاکستان میں بذریعہ ہوائی جہاز ایک ہی مہینے کی ۲۷، ۲۸ رتاریخ کو ہلال کا مشاہدہ کرنا دونوں ہی باتیں لفظ و معنی کے اعتبار سے میرے نزدیک محل نظر ہیں، نہ فتوے کی زبان و بیان غوث العالم سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند کی ذات سے میل کھاتی ہے اور نہ ہی ۲۷، ۲۸ رتاریخوں میں ہلال کا مشاہدہ علم و فن کے معیار پر صحیح اترتا ہے۔ علم و فن کا معیار آگے پیش کروں گا، فی الحال قارئین کرام غور فرمائیں کہ

(۱) فتویٰ میں لکھا گیا ہے کہ ”رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔“

فتویٰ میں چونکہ احکام شرع بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً: فرض، واجب، سنت، مستحب، جائز، ناجائز، حلال، حرام، مکروہ اور ممنوع، صحیح، معتبر، غیر معتبر وغیرہ وغیرہ؛ اس لیے فتویٰ کی زبان و بیان کے اعتبار سے یہاں ”غلط“ کے بجائے یوں کہنا چاہیے کہ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ صحیح نہیں، یا اس جیسا دوسرا لفظ ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ غلط کا معنی عام طور پر یہ آتا ہے کہ خلاف واقعہ ہے اور خلاف

واقعہ کا معنی یہاں قطعاً درست نہیں، کیونکہ جہاز پر سے لوگ آئے دن چاند دیکھتے رہتے ہیں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ معتبر ہے، یا نہیں۔

(۲) فتویٰ میں ہے ”اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو“۔ الخ

بھلا غور کیجیے جہاز اڑا کر چاند دیکھنے کی شرط کس نے ٹھہرائی ہے؟ عہد رسالت سے آج تک لوگ جہاز اڑائے بغیر چاند دیکھتے رہے، کسی نے جہاز اڑانے کی شرط نہیں ٹھہرائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار کے ذہن میں بات کچھ اور تھی اور تعبیر کچھ کر گئے۔ تشریح یہ ہے کہ بلندی پر جانے کی کئی صورتیں ہیں، زینہ بہ زینہ جیسے: قطب مینار کی آخری منزل تک یا پھر بذریعہ لفٹ، جیسے: امریکہ وغیرہ میں سو ڈیڑھ سو منزلہ بلڈنگ تک پہنچنا، یا پہاڑی راستوں کو طے کر کے جیسے: کوہ ہمالہ کی چوٹی تک پہنچنا، یا پھر ہوائی جہاز سے فضائی مقامات تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ، فتویٰ نگار کو ان تمام بلندیوں سے فضائی بلندی کی رویت ہلال کے بارے میں غیر معتبر بتانا ہے؛ اس لیے وہ کہنا چاہتے تھے کہ ”اگر ہوائی جہاز سے بلندی پر جا کر چاند دیکھنا درست ہو تو، مگر وہ اس مفہوم کو اس طرح تعبیر نہ کر سکے، جس سے ان کی مراد ادا ہوتی، بلکہ وہ یہ کہہ گئے کہ ”جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو“۔ الخ، یعنی یہ شرط بلندی پر پہنچنے کی تھی، لیکن یہ شرط فتویٰ نگار نے رویت ہلال کے لیے کردی، ہاں اگر وہ یوں کہتا تو اس کی مراد ادا ہو جاتی، ”بشرط پرواز چاند دیکھنا درست ہو تو۔“

(۳) فتویٰ نگار نے لکھا ہے کہ ”تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا، اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا“ مذکور بالا جملہ میں ”نہ ہی“ کا لفظ واضح طور پر دال ہے کہ یہ جملہ مستانفہ نہیں ہے، بلکہ ماسبق میں مذکور ایسے جملہ پر عطف ہے، جس میں حکم سلبی لفظاً مذکور ہے، اور یہاں کوئی ایسا جملہ نہیں، بلکہ ماسبق میں جملہ انشائیہ بطور استفہام انکاری ہے، جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر بے تاویل، صحیح نہیں؛ اس لیے یہاں اس قسم کی عبارت ہونی چاہیے تھی ”تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں!! اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔“

بہر حال اس قسم کی جھول جھال عبارت کی نسبت کبھی بھی سرکار مفتی اعظم ہند کی طرف وہ لوگ نہیں کر سکتے جنہوں نے حضرت کی نظم و نثر کو دیکھا ہے الموت الاحمر، سامان بخشش، وغیرہ کی زبان اور اس فتویٰ کی زبان میں ایسا فرق معلوم ہوتا ہے، جیسے لکھنؤ اور بلوچستان کے دو آدمیوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہو۔

یہ واقعہ ایوب خان کے دور کا بتایا جاتا ہے، جبکہ اس دور میں بندہ ناچیز خود مفتی اعظم ہند کی کفش برداری میں بریلی شریف میں قیام پذیر تھا، نہ ہم نے کسی سے سنا اور نہ اس کی بھنک معلوم ہوئی، نہ کوئی ایسا اخبار دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسی گرم خبر پھیلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد اچانک یہ باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئیں، کچھ علمائے کرام کو اس کا کھٹکا ضرور ہوا، لیکن

اپنی مصروفیت کی وجہ سے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ فرما سکے۔

میری نگاہ میں چونکہ یہ باتیں نہ صرف بے بنیاد تھیں، بلکہ علم و فن کے خلاف بھی تھیں، اس لیے شمالی ہند کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے نکلنے والے رسالے ”ماہنامہ اشرفیہ“ ماہ ستمبر ۱۹۹۸ء میں میرا مضمون بعنوان ”۲۷/۲۸ تاریخوں میں چاند کی رویت کا مسئلہ“ شائع ہوا، ہم نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اس قسم کے مضمون کو فتویٰ کا نام دے کر سیدی مرشدی غوث العالم سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی طرف نسبت کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور ساتھ ہی اس کے وجہ پر بھی روشنی ڈالی تھی، جو ماہنامہ اشرفیہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اگر قارئین کو ماہ ستمبر کا شمارہ دستیاب ہو جائے تو اس کو پہلے پڑھ لینا اچھا ہے۔

ہمارے اس مضمون سے جہاں کہیں لوگوں کو ذہنی سکون ہوا وہیں ہمارے بعض احباب کے حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی، موقع کے لحاظ سے ایسی لہر کا پیدا ہونا فطری بات بھی تھی، کیونکہ یہ مسئلہ اس قدر مشہور اور لوگوں کے دل میں راسخ ہو چکا تھا کہ لوگ اس کے خلاف کچھ سننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے، لیکن بندہ ناچیز یہ خیال کرتے ہوئے کہ خدا نخواستہ اگر کبھی بھی یہ بات اُٹھ

کھڑی ہوئی تو حق بات سے آگاہ ہونے کے باوجود ہم بے زبان ہو کر رہ جائیں گے؛ اس لیے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ میرے سرکار کی طرف اس فتوے کا انتساب قطعاً صحیح نہیں ہے۔ سیدنا سرکار مفتی اعظم ہند جہاں غوثیت مآبی نگاہ رکھتے تھے، وہیں ان کی نگاہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات پر بھی تھی؛ اس لیے آپ سے کبھی بھی ایسی کوئی بات نہیں سنی گئی جو امام احمد رضا کی نگارشات سے متصادم ہو، ادھر ہم نے اپنے احباب سے یہ عرض کر دیا کہ آپ حضرات پاکستان سے رابطہ قائم کریں، وہاں کی حکومت کی تحویل میں اس کا ریکارڈ ضرور محفوظ ہوگا، اخبارات کے تراشے منگائیں اور اصل فتویٰ کا نوٹو اسٹیٹ طلب کریں، اگر یہ ساری باتیں فراہم ہو جائیں تو ہم کو اپنے مضمون کو مسترد کرنے میں کوئی تردد نہ ہوگا، بصورت دیگر ہم کچھ اور معروضات پیش کریں گے، جن سے میرے موقف کی مزید وضاحت ہو جائے گی، مگر اب تک کوئی ایسی بات نہیں پیش کی گئی، جس کی وجہ سے مجھے اپنے مضمون کو مسترد کرنا ضروری ہوتا، ہاں! ہمارے بعض احباب نے میرے مضمون کو سرسری طور پر ملاحظہ کرنے کے بعد نہایت ہی جھلسانے والا انداز اختیار کر کے ہماری ہوا خیزی کرنا چاہی؛ اس لیے مجبور ہو کر ہم ان احباب کی خدمت میں یہ دوسرا مضمون اس لیے پیش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے موقف کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی میرے ان احباب کو ملحوظ رکھنی چاہیے تھی کہ اس

پاکستانی مسئلہ میں جو لوگ اس کی حقانیت پر اصرار کرتے اور انتساب کو صحیح بتاتے ہیں وہ لوگ اصولاً مدعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں چونکہ انتساب کا انکار کرتا اور واقعہ کی صحت پر اعتماد نہیں رکھتا؛ اس لیے میرا موقف سائل کا موقف ہے، اصرار کرنے والے حضرات کے لیے مجھ پر طعن و تشنیع کرنے کے بجائے یہ ضروری تھا کہ لوگ دلائل و براہین سے مدعا ثابت کرتے اور ہمارے شبہات کے پرچے اڑا دیتے، لیکن افسوس کہ اصول سے ہٹ کر محض افتاد طبع کی بنیاد پر طعن و تشنیع کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ان حضرات کو یہ سوچنا چاہیے کہ ان کا یہ طریقہ اور انداز داد و تحسین کے پھول کے بجائے دامن میں خس و خاشاک بھر دینے والا ہے۔ کاش!! جتنا وقت انھوں نے مجھے برا بھلا کہنے اور کوسنے میں لگا یا وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں ہی کے مطالعے میں لگاتے تو تلخ توائی کے بجائے ہم نوائی کا دم بھرتے۔

ہم نے اپنے مضمون سابق میں لکھا تھا کہ مسابہ کے پیش نظر تدقیقات ریاضیہ سے صرف نظر کیا گیا ہے، لیکن اب۔۔۔ مزید چند باتوں کو پیش کر رہا ہوں۔

فلک کے اوپر دو فرضی دائرے پورب، کچھم (مشرق، مغرب) ایسے مانے گئے ہیں کہ دونوں باہم ۵ درجے اور ۲۲ دقیقے پر تقاطع کریں، ان میں سے ایک منطقۃ البروج (zodiacal circle) اور دوسرا منطقۃ المائل (inclined moon orbit) کہلاتا ہے۔ منطقۃ البروج آفتاب کی ذاتی چال کا راستہ ہے اور منطقۃ المائل ماہتاب (چاند) کی ذاتی چال کا راستہ ہے، دونوں

کے نقطہ تقاطع میں سے ایک راس اور دوسرا ذنب کہلاتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب (چاند) کی ذاتی چال سے جب دونوں کے مابین محاذات راس، ذنب، یا اس کے آس پاس ہو تو اس وقت کسوف یعنی سورج گھن ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی مقام پر ہو تو یہ محاق اور اجتماعِ نیرین کہلاتا ہے اور جب اجتماع سے قمر آگے بڑھتا اور چاند سورج کے مابین مخصوص دوری ہوتی ہے تو رویت ہلال ممکن ہو جاتی ہے۔

آفتاب اپنے خارج المرکز پر روزانہ یکساں 59 دقیقے، 8 ثانیے، 20 ثالثے، ($0^{\circ}59'08''20'''$) کی رفتار سے پورب (مشرق) کی طرف رواں دواں رہتا ہے، لیکن جب منطقۃ البروج کی طرف نسبت کرتے ہوئے آفتاب کی رفتار دیکھی جاتی ہے تو وہ روزانہ یکساں نہیں ہوتی، بلکہ کبھی کم، کبھی زیادہ اور کبھی برابر ہوتی ہے، شرح چغینین میں ہے ”انہا لما کانت تدور علی محیط دائرة مرکزها خارج عن مرکز العالم کان فی احد نصفی فلک البروج اکثر من نصفها و هو النصف الذی فیہ اوجها و فی النصف الآخر من فلک البروج اقل من نصفها و هو النصف الذی فیہ الحضيض“ (ص ۷۷)

نیز اسی شرح چغینین میں ہے ”ولما کانت الشمس تقطع من فلک البروج فی کل یوم تسیم مختلفہ“ (ص ۱۲۳)

اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے حساب دانوں نے منطقۃ البروج

(zodiacal circle) پر ایک ایسا فرضی آفتاب مان لیا، جس کی چال اصلی آفتاب کے برابر ہو، اصلی آفتاب جتنی مدت میں خارج المرکز کے مرکز پر زاویہ بناتا ہو اتنی ہی مدت میں فرضی آفتاب مرکز عالم پر زاویہ بنائے۔ اگر اصلی آفتاب خارج المرکز پردس درجے چلے تو یہ فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پردس درجے چلے، اگر اصلی آفتاب سو درجے چلے تو فرضی آفتاب بھی منطقۃ البروج پر سو درجے چلے اور جب اصلی آفتاب کا دورہ کامل ہو تو فرضی آفتاب کا بھی دورہ کامل ہو جائے اور پھر اس فرضی آفتاب کی رفتار کو اصلی آفتاب کی طرف منسوب کر کے حساب لگاتے رہتے ہیں، تو گویا اب اصلی آفتاب کی یہ نسبت منطقۃ البروج کی دورقاریں ہو گئی، ایک تو وہ جو روزانہ کم و بیش ہوتی رہتی ہے اور ایک یہ جو روزانہ یکساں رہتی ہے؛ پہلی رفتار کو تقویمی حرکت اور دوسری رفتار کو وسطی حرکت کہتے ہیں، اسی طرح کا کچھ حال قمر کے ساتھ بھی ہے، اس لیے اس کی بھی دو حرکتیں، ایک تقویمی اور ایک وسطی ہوتی ہے۔ آفتاب کی وسطی حرکت یومیہ 59 دقیقے، 8 ثانیے، 20 ثالثے، ($0^{\circ}59'08''20'''$) اور قمر کی وسطی حرکت یومیہ 13 درجے، 10 دقیقے، 35 ثانیے اور 2 ثالثے ($13^{\circ}10'35''02'''$) ہے۔ دونوں کے مابین تفاضل ($12^{\circ}11'26''44'''$) درجے قمر کے سبق کی رفتار ہے، آفتاب سے ماہتاب (چاند) روزانہ اسی رفتار سے پورب (مشرق) کی طرف آگے بڑھتا رہتا ہے، اسی مفہوم کو حضرت علامہ عبدالعلی برجندی نے شرح زیتج سلطانی میں دوسری

طرح تعبیر فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”چوں خطے از مرکز عالم خارج شود و موازی خطے کہ از مرکز خارج مرکز آفتاب رفتہ قوسی از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل بر توالی تا طرف خط اول آنرا وسط آفتاب گویند و قوسی ہم از مرکز عالم بمرکز آفتاب گزرد آنرا تقویم گویند و چوں خطے از مرکز عالم خارج شود و بمرکز تدویر قمر گزرد و بمنطقہ مایل رسد قوسی از منطقہ ماکل را ابتدا از اول حمل تا طرف خط بر توالی وسط قمر گویند و خطے کہ از مرکز عالم خارج شود و بمرکز قمر گزرد و دائرہ عظیمہ فرض کنند کہ بطرف ایں خط و برد و قطب بروج گزرد و منطقۃ البروج را برد و نقطہ تقاطع کند قوسی را از منطقۃ البروج ابتدا از اول حمل تا آں تقاطع مذکور کہ بقمر اقرب بود تقویم قمر گویند و اجتماع وسطی آنست کہ وسط آفتاب و وسط قمر بحسب برج و اجزایکے شوند (ص ۳۴) اور اگر باعتبار رویت اجتماع ہو تو اجتماع مرئی کہلاتا ہے جس سے سورج گہن ہو جاتا ہے۔

حرکت تقویمی کے اعتبار سے جو حالات پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقی کہلاتے اور حرکت وسطی کے لحاظ سے جو احوال ہوتے ہیں وہ وسطی کہلاتے ہیں؛ لہذا یوم حقیقی، یوم وسطی، اجتماع حقیقی، اجتماع وسطی، ماہ قمری وسطی، ماہ حقیقی شمسی، ماہ شمسی وسطی پر سارے حالات مندرجہ بالا ضابطہ کے تحت درج ہیں اور جب حقیقی اور وسطی میں سے کسی کو دوسرے میں تحويل کرنا مقصود ہوتا ہے تو تعدیلات سے کام لیا جاتا ہے۔

اجتماع حقیقی سے دوسرے اجتماع حقیقی کی مدت کو ماہ قمری کہتے اور اجتماع وسطی سے دوسرے اجتماع وسطی کی مدت کو ماہ وسطی کہتے، بارہ ماہ حقیقی کے مجموعہ کو سال قمری حقیقی اور بارہ ماہ وسطی کے مجموعہ کو سال قمری وسطی کہتے ہیں۔ ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت وسطی طے کرتا ہے اسے ماہ وسطی شمسی کہتے اور ایک برج کو آفتاب جتنی مدت میں بحرکت تقویمی طے کرتا اس کو ماہ حقیقی شمسی کہتے ہیں اور چونکہ آفتاب کی حرکت تقویمی اور وسطی کا دورہ کامل برابر ہوتا ہے؛ اس لیے شمسی سال وسطی اور حقیقی برابر ہوتے ہیں، جس کی مدت میں اختلاف ہے جیسا کہ حاشیہ شرح چغینی میں مذکور ہے، لیکن عام طور پر ۳۶۵ دن اور ۶ گھنٹے کا مانا جاتا ہے۔

ماہ قمری وسطی کی مدت ۲۹ دن، ۱۲ گھنٹے اور ۴۴ منٹ ہوتی ہے۔ شرح زج سلطانی میں ہے۔ ”اگر آں وضع اجتماع وسطی بو و بست و نہ روز و دو از دہ ساعت و چہل و چہار دقیقہ است و اگر اجتماع حقیقی بود گا ہے باندک ازیں مدت زیادت باشد و گا ہے کمتر و نادر بود کہ موافق باشد“ (ص) ماہ شمسی وسطی کی مدت ۳۰ دن، ۱۰ گھنٹے، ۲۹ منٹ اور ۱۲/۱۱ سیکنڈز ہوتی ہے۔ حاشیہ شرح چغینی میں ہے۔ ”فالشمس الشمسی الوسطی ابدایکون ثلثین یوما و عشر ساعات و تسعا و عشرین دقیقہ و نصف سدس دقیقہ و الشمس الحقیقی قد یزید علیہ و قد یساویہ و قد ینقص (ص ۱۲۸) اور شرح زج سلطانی میں ماہ شمسی کے متعلق درج ہے کہ ”مقداری

درجہ از منطقه البروج کہ حقیض آفتاب بر منصف آں باشد آفتاب آں را در مدت بیست و نہ روز و نہ ساعت حقیقی تقریباً قطع کند و ایں اقصر زمان مدت سیر آفتاب است سی درجہ را کہ یک برج است و مقداری درجہ مقابل آں را در مدت سی و یک روز و دوازده ساعت تقریباً قطع کند و ایں اطول مدت سیر آفتاب است مری درجہ را (ص ۵) اور زنج بہادر خانی میں ماہ قمری حقیقی کے متعلق یوں درج ہے ”ماہ ہائے حقیقیہ قمریہ بسبب سرعت حرکت تقویمی قمر و بطوے شمس حوالی اجتماع بے شبہ اصغر باشد از مقدار ماہ وسطی و غایت ایں اقصر از سیزدہ دقیقہ یوم بلیہ متجاوز نمی شود پس مقدار شہور صغریٰ بست و نہ روز و ثلث یوم تقریباً می باشد و ایں کسر گاہے برلح یوم نمی رسد بلکہ ابد از اید از رلح می باشد و علی ہذا القیاس ہر گاہ حوالی اجتماع قمر بطی شود و شمس سرلح لازم آید کہ زمانہ ماہ حقیقی قمری زاید باشد از ماہ قمری وسطی و ایں زیادتی ہم قریب سیزدہ دقیقہ یوم بلیہ است، پس غایت مقدار ماہ عظمیٰ بست و نہ روز و نہ رلح یوم می باشد و ایں کسر گاہے پچہا خمس نمی رسد بلکہ کمتر از اں می باشد“ (ص ۵۰، ۵۱)

خلاصہ یہ ہے کہ وسطی مہینوں کی مقدار متعین اور منضبط ہوتی ہے اور حقیقی مہینوں کی مقدار نہ متعین ہوتی ہے اور نہ منضبط؛ اس لیے حساب داں وسطی اعتبار سے اپنا عمل کرتے اور تعدیلات کے ذریعے حقیقی معلوم کر لیتے ہیں۔ آئندہ مضمون میں حسابات، یا لفظ اجتماع وغیرہ کا استعمال بمعنی وسطی ہوگا۔ وسطی اور حقیقی میں

چونکہ برائے نام فرق ہوتا ہے؛ اس لیے ہماری مراد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لیکن شریعت مطہرہ میں نہ تو ماہِ قمری حقیقی پر حکم ہوتا ہے، نہ ہی ماہِ قمری وسطیٰ پر، بلکہ حکم ماہِ قمری ہلالی پر ہوتا ہے، جس کی مدت کبھی ۲۹/۲۰ یوم اور کبھی ۳۰/۲۰ یوم ہوتی ہے۔ شرح زتیج سلطانی میں ہے ”واگر آں وضع ہلالی بود مدت دورا وگا ہے بست و نہ روز باشد وگا ہے سی روز“ ص ۵ فتاویٰ رضویہ میں ہے ”اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رویت ہلال گیرند و آں ہرگز از سی روز زیادہ نہ باشد و از بست و نہ روز کمتر نے (جلد دوم ص ۳۰)“

البتہ یہ ضرور ہے کہ غرہ وسطیہ (new moon) سے پہلے غرہ ہلالیہ (visible new moon) نہیں ہوتا، فتاویٰ رضویہ میں ہے ”بداہتہ واضح کہ رویت ہلال اجتماع قمرین (time for new moon) سے ایک مدت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے، تو غرہ ہلالیہ (visible new moon) کبھی غرہ وسطیہ (new moon) سے مقدم نہ آئے گا۔ وانہا غایۃ التساوی“ (جلد دوم ص ۲۲۲)

شرح زتیج سلطانی میں تشریح کی گئی ہے کہ بوقت غروب آفتاب، قمرین کے مابین معدل النہار کی قوس کی مقدار کو ”بعد معدل“ اور منقطۃ البروج کی قوس کی مقدار کو ”بعد سواء“ کہتے ہیں، اسی کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں

ارشاد ہے کہ ”اور حسب قول متعارف اہل عمل رویت کے لیے کم از کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہیے“ حاشیہ شرح چغینی للعلامة عبد العلی البرجندی میں ہے ”المذکور فی الکتب المشہور انہ یبغی ان یکون البعد بین تقویمی البیرین اکثر من عشرة اجزاء و قیل یبغی ان یکون مابین مغاربہا عشرة اجزاء و اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقداره ثلثی ساعة او اکثر و المشہور فی ہذا الزمان بین اہل العمل انہ یبغی ان تتحقق الشرطان حتی یمکن الرویہ ویسمون البعد الاول بعد السواء و البعد الثانی بعد المعدل“ شرح زجاج سلطانی میں ہے ”باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یا زیادہ و بعد میان تقویم ایشان از دہ زیادہ باشد تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان این است“ (فتاویٰ رضویہ، جلد دوازدہم، ص ۲۲۵)

زجاج بہادر خانی میں ہے ”اگر ہر یک از بعد معدل و بعد سواء از دہ درجہ زیادہ نہ باشد دریں صورت ہلال اصلاً دیدہ نشود و ماہ موجود سی روزہ باشد و اگر بعد معدل میان دہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بعد سواء از دہ درجہ بیشتر بود دریں صورت ہلال بار یک تو اس دیدہ و اگر بعد معدل میان دوازدہ و چارہ درجہ باشد ہلال معتدل دیدہ شود و اگر از چارہ بیشتر باشد ہلال بزرگ و ظاہر تر باشد“ (ص ۵۵۷)

جہاز سے پرواز کر کے ہلال دیکھنے کی حاجت اس وقت ہوگی، جبکہ ہلال

ابتدائی حد پر واقع ہوا اگر ہلال حد رویت سے زیادہ فاصلے پر واقع ہو تو بحسب زیجات اس کی رویت واضح ہوگی، تو پھر ہوائی جہاز سے پرواز کرنے کی کیا حاجت؟ اب فرض کیجیے کہ کسی مقام میں بتاریخ ۲۹ ر بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آجائے تو بفرمان امام احمد رضا کہ ”غرۃ ہلالیہ (visible moon) کبھی غرۃ وسطیہ (new moon) سے مقدم نہیں ہوتا“ اس کا صاف مطلب ہے کہ غرۃ وسطیہ ہو گیا اور غرۃ ہلالیہ کے لیے بعد معدل اور بعد سوا کی مذکورہ شرطیں لازمی ہیں؛ اس لیے بوقت غروب آفتاب اس دن بعد معدل اور بعد سوا دس درجے سے ضرور زائد ہوگا، اور چونکہ قمر اتنی دوری کو تقریباً ایک دن رات میں طے کرتا ہے؛ اس لیے ماننا پڑے گا کہ ۲۸ کی شام کو قمر حالت اجتماع میں تھا اور ۲۷ ر تاریخ کو قمر آفتاب سے پچھم (مغرب) ہونے کی وجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو گیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ۲۸ ر تاریخ کو بوجہ اجتماع قمرین (conjunction) اور ۲۷ ر تاریخ کو بوجہ غروب قمر رویت ہلال قطعاً محال، کمالاً یخفی۔

زیر بحث فتویٰ میں کہا گیا ہے ”کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ ر اور کہیں ۳۰ ر کو نظر آتا ہے اور جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے کے بعد ۲۷ ر، ۲۸ ر کو بھی نظر آسکتا ہے۔“ قطعاً غلط اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے، فتویٰ کے الفاظ کو صورت ضابطہ و کلیہ نہیں، لیکن معنوی اعتبار

سے یقیناً یہ کلیہ ہے اور اس عبارت سے کلیہ ہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں کسی سن، کسی ماہ، کسی جگہ کی کوئی تعین نہیں، بلکہ ہر ماہ، ہر سال، ہر جگہ بلندی سے چاند نظر آسکتا ہے، کیونکہ وہ غروب ہوتا ہے، فنا نہیں ہوتا، اگر ایک جزئی بھی کلیہ کے خلاف ہو تو وہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے، حالت اجتماع اور بوقت غروب کی صورت پیش کی گئی، اس سے یقیناً یہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے؛ اس لیے یہ کلیہ سراسر باطل ہے، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ ایسا کلیہ ہے جو اپنے جزئیات میں سے کسی بھی جزئی پر نہیں۔۔۔ شرعی مہینے کبھی ۳۰ اور کبھی ۲۹ کے ہوتے ہیں لیکن ۳۰ کے مہینے کا ثبوت رویت ہلال پر مبنی نہیں، وہ تو خود اکملوا العدة ثلثین ہی سے ثابت ہوتا ہے؛ اس لیے رویت ہلال کا مسئلہ صرف ۲۹/۱۰ والے مہینے سے تعلق رکھتا ہے۔ ۲۹ تاریخ کی شام کو قمر کے حد رویت پر ہونے کے لیے بوقت غروب آفتاب تین شرطیں ضروری ہیں:

(۱) ہلال افق کے اوپر ہو

(۲) نیرین کے مابین بعد معدل دس درجے سے زائد ہو

(۳) نیرین کے مابین بعد سوا دس درجے سے زائد ہو

اگر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو رویت کا وقوع ہو یا نہ ہو، لیکن رویت ہلال حد امکان میں آجاتی ہے اور دنیا میں کہیں رویت ہو بھی سکتی ہے اور غرہ ہلالیہ (visible moon) ضرور ہو جاتا ہے اور اگر رویت نہیں ہوتی پھر بھی غرہ

وسطیہ (new moon) ہو جاتا ہے، ہلالیہ نہیں ہوتا، مثلاً اسی ۱۹۹۹ء کی جنوری میں ماہِ عید کے ہلال کا مسئلہ لیجیے، مطلع صاف ہونے کے باوجود دنیا میں چند جگہ ہی سے رویت کی اطلاع ملی۔

پہلی شرط تو اس لیے کہ اگر بوقتِ غروبِ آفتاب ہلالِ افق کے اوپر نہ رہے تو پھر کیا زمین چیر کر رویت ہوگی؟

دوسری اور تیسری شرط دو غرض کے لیے مانی جاتی ہے:

اول یہ کہ چاند کے دائرۃ رویت اور دائرۃ نور کا باہم تقاطع ہو سکے۔

دوم یہ کہ بوقتِ غروبِ آفتاب، قمرِ آفتابی شعاعوں کی صولت سے دور رہ کر اپنا مکھڑا دکھا سکے۔

اگر بُعدِ معدل اور بُعدِ سوا کی مشروط مقدار نہ پائی جائے تو چاند اور سورج باہم قریب ہونے کی وجہ سے آفتابی شعاعوں کی صولت اور سورج کی تیز کرنوں کی جلالت میں ہلال کا مکھڑا گم ہو جائے گا، تو پھر ہلال کیسے نظر آئے گا۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ ”غروبِ شمس سے ۲۰ منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادۃً انیسویں (۲۹/ویں) کا چاند بھی نظر آنا ممکن نہیں۔“ (بحوالہ فقہی بصیرت، ص ۱۵۱)

دائرۃ النور اور دائرۃ الرؤیۃ کے تقاطع کو اس طرح سمجھیں کہ رویت ہلالِ خواہ ۲۹ کی ہو یا ۳۰ کی، دائرۃ النور اور دائرۃ الرؤیۃ کے باہم تقاطع سے

چاند کے چار حصے ہو جاتے ہیں، دو حادے اور دو منفر جے۔

(۱) چاند کا زیریں حصہ جو ناظر کے سامنے ہلالی صورت میں نظر آتا

ہے، چاند کا یہ حصہ دائرہ رویت اور دائرہ نور دونوں کے تحت ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ بالائی حصہ جو ہلالی صورت کے مقابل ناظر کے مخالف

سمت ہوتا ہے، چاند کا یہ حصہ نہ دائرہ رویت کے تحت ہوتا ہے، نہ دائرہ نور کے تحت ہوتا ہے۔

(۳) چاند کا وہ ٹکڑا جو چاند کا غربی حصہ ہوتا ہے وہ دائرہ نور کے تحت

ہوتا ہے دائرہ رویت کے تحت نہیں۔

(۴) چاند کا وہ حصہ جو چاند کے شرقی حصہ میں واقع ہوتا ہے وہ صرف

دائرہ رویت کے تحت ہوتا ہے، دائرہ نور کے تحت نہیں۔

پہلے دونوں ٹکڑے حادے اور پچھلے دو ٹکڑے منفر جے ہوتے ہیں، چونکہ

دائرہ رویت کا تعلق ناظر سے ہے؛ اس لیے ناظر کے مقامات بدلنے پر حصہ تقاطع

کی ضخامت کم و بیش ہوتی جائے گی، ناظر کے زمین پر ہونے، یا پستی پر جانے، یا

بلندی پر پرواز کرنے کی وجہ سے چونکہ دائرہ رویت کی پوزیشن بدلتی رہتی ہے؛

اس لیے ناظر جوں جوں اوپر پرواز کرتا جائے گا، اسی تناسب سے دائرہ رویت کا

زیریں حصہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پورب (مشرق) کی طرف کھسکتا جائے گا اور اسی

تناسب سے بالائی حصہ بھی اپنی جگہ سے کچھم (مغرب) کی طرف کھسکتا جائے

گا اور دائرہ رویت اور دائرہ نور کے تقاطع سے پیدا شدہ ہلالی صورت حادثہ سے احد ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ دائرہ رویت اور دائرہ نور کا تقاطع ختم ہو کر حالت تطابق پیدا ہو جانے کی وجہ سے چاند اور سورج کے مرکز اور ناظر تینوں ایک خط مستقیم پر ہو جائیں گے اور اس طرح ناظر کے لیے سورج گہن کا منظر سامنے آجائے گا اور اگر ناظر زمین چھوڑ کر پستی میں پہنچ جائے اور زمینی حجاب واقع نہ ہو تو اس کے برعکس ہلالی صورت کی مقدار بڑھ جائے گی اور اگر ناظر شمس و قمر کے مابین پہنچ جائے تو بدر کامل کا منظر سامنے آجائے گا۔

بعد معدل اور بعد سوا کے متعینہ مقدار، چونکہ اس میں ناظر کی وضع کو کوئی دخل نہیں ہوتا؛ اس لیے چاند سورج کو جہاں سے بھی دیکھا جائے، اس کے مابین کی دوری میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ایک میل کی اونچائی ہو، یا دس ہزار میل کی بلندی، خواہ فلک زحل کی بلندی، کہیں سے بھی دیکھیں یہ دوری اپنی جگہ برقرار رہے گی، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، چونکہ بوقت غروب یہی دوری قمر کو آفتابی شعاعوں کی صولت سے محفوظ رکھتی ہے؛ اس لیے اہل حساب نے یہ بتایا کہ اگر بعد معدل اور بعد سوا دس درجے سے زائد ہو تو رویت کا امکان ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں، لیکن اس صورت میں اگر ناظر بلندی کی طرف پرواز کرنے لگے تو جس قدر بلندی پر جاتا رہے گا، اسی اعتبار سے ماہتاب (چاند) کا زیریں حصہ جو ہلالی صورت میں نظر آنے کا امکان رکھتا، اب اس کے ہاتھ سے امکان بھی جاتا رہے گا؛ یعنی رویت کا

امکان خفیف سے خفیف تر ہوتا رہے گا اور آخر میں امکان معدوم ہو جائے گا، اس لیے زیر بحث مسئلہ میں یہ پہلو نکالنا کہ ۲۷، ۲۸ تاریخ میں اگرچہ حصہ تقاطع رویت معتادہ کی مقدار پر نہیں ہوتا، لیکن کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کی وجہ سے ایسی وضع پیدا ہو جائے کہ وہ ہلالی صورت جو زمین سے نہیں حاصل ہوتی وہ بلندی پر حاصل ہو جائے، دراصل یہ قوت واہمہ کا فریب ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر لوگ کیوں رویت ہلال کے لیے اونچی جگہ مثلاً مکان کی چھت، یا پہاڑ اور ٹیلہ کے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور پاکستانی حضرات کیوں جہاز سے بلندی پر جاتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ بعد معدل اور نہ بعد سوا کی مقدار بڑھانے جاتے اور نہ تقاطع کا حصہ زیادہ کرانے جاتے، بلکہ رویت معتادہ کی حد تک پہنچا ہوا مانتا ہے (چاند) کبھی زمینی حجابات مثلاً اونچے مکانات، یا اونچے درخت اور کبھی فضائی حجابات مثلاً ابر باد یا گرد باد کی زد میں آجاتا؛ اس لیے لوگ اونچی جگہ پہنچ کر ہلال کا مشاہدہ کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند رویت معتادہ کی حد پر اس وقت آتا، جبکہ غروب ہو رہا ہو، یعنی جب افق کے زیادہ اوپر تھا تو اس حد پر نہیں تھا اور جب اس حد پر آیا تو افق کے قریب پہنچ گیا، تا کہ ان کی نگاہ قدرے افق کے نیچے پہنچ کر رویت معتادہ کی حد تک پہنچے ہوئے ہلال کو دیکھ لے، الغرض بلندی پر جانا اس لیے ہوتا ہے کہ حد تک پہنچے ہوئے ہلال کا مشاہدہ

کرے؛ اس لیے نہیں ہوتا کہ ہلال کو حد تک پہنچا دیا جائے، بہر حال یہ باتیں (اوسطاً) ۲۹ ردن، ۱۲ رگھنٹے اور ۴۴ منٹ کے بعد ہی ہوتیں، ۲۸ رتاریخ کو چونکہ غروب آفتاب کے وقت قمر حالت اجتماع یا حوالی اجتماع میں ہوتا، جس کی وجہ سے لگ بھگ ساتھ ہی غروب کرتا اور ۲۷ رتاریخ کو قمر آفتاب سے تقریباً ۱۲ درجے پچھم (مغرب) ہوتا، جو تقریباً ۴۸ منٹ پہلے غروب ہو جاتا؛ اس لیے ۲۸ یا ۲۷ رتاریخ کو رویت ہلال نہ زمین سے ہو سکتی اور نہ ہوائی جہاز سے ہو سکتی ہے؛ اس لیے فتویٰ کا کلیہ قطعاً صحیح نہیں، یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اجتماع کی وضع، یا وہ وضع کہ جس میں قمر سورج سے پچھم (مغرب) واقع ہو تو ان اوضاع میں ہلالی حصہ نمودار بھی نہیں ہوتا اور نہ ہلالی حصہ نظر آ سکتا ہے، بلکہ ان اوضاع میں چاند بھی نظر نہیں آ سکتا؛ اس لیے کہ اگرچہ ناظر کے بلندی پر جانے کی وجہ سے زمینی افق کے بجائے فضائی افق پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے غروب شدہ قمر افق کے اوپر آ جاتا ہے، لیکن اس صورت میں چونکہ سورج بھی فضائی افق پر آ جاتا ہے، جس کی تیز شعاعوں میں چاند گم ہو جاتا ہے، ہاں! اگر چاند حد رویت پر ہو جیسے ۲۹ رتاریخ کو، تو چونکہ یہاں ممکن ہے کہ سورج فضائی افق کے نیچے ہو اور قمر اس کے اوپر؛ اس لیے یہاں رویت ممکن ہے۔

اب تک جتنی باتیں درج ہوئیں وہ تو علم و فن کی باتیں تھیں، آگے امام احمد

رضا کے فرمان کو نقل کیا جا رہا ہے جس میں وہی ۲۷، ۲۸ رتاریخ میں رویت ہلال

کا مسئلہ متعرض ہے:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرضوان نے رسول کریم ﷺ کے وصال شریف کی تاریخ اور دن کے تعین کے لیے رویت ہلال کی مذکورہ شرطوں کے پیش نظر شامِ دو شنبہ (پیر) ۲۹/صفر وسطیٰ ۱۱ھ کے لیے افق کریم مدینہ طیبہ کے لیے جزئیات مؤامره کی جدول تیار کر کے یہ حکم لگایا کہ ”جب شب سہ شنبہ (منگل، ۲۹/صفر) تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا، تو اس سے دو ایک رات پہلے (یعنی ۲۸، ۲۷) کا وقوع بداہتہ محال تھا، اس رات (یعنی ۲۹) کا دن گزرنے کے بعد رات (تقریباً ۹ درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ (اتوار) کو (یعنی ۲۸/تاریخ کی شام کو) کئی درجے (یعنی تقریباً ۳ درجے سے کچھ زیادہ) اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹہ پہلے ڈوبا اور شام شنبہ (ہفتہ) کو (یعنی ۲۷/تاریخ کی شام کو) تو عصر کا اعلیٰ مستحب وقت تھا، جب چاند جملہ نشین مغرب ہو چکا تھا، پھر (ان دونوں تاریخوں میں سے کسی تاریخ میں) رات کو رویت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی“، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۲۶، لیجیہ! یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ اپنے جزئیہ پر منطبق نہیں۔

عبارت بالا سے یہ واضح ہے کہ ۲۹/تاریخ کو جب وقوع رویت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال ہو تو ۲۷، ۲۸ کو رویت ہلال کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔ پاکستانیوں کا غیر متوقع احتمال سے ایک دو دن پہلے ہوائی جہاز سے (جبکہ

بلندی پر پہنچنے سے تقاطع کا حصہ حادثہ سے اُحد اور رویت خفیف سے خفیف تر ہو جائے (۲۷، ۲۸) کو چاند دیکھنے کی روایت فرضی نہیں تو اور کیا ہو سکتی ہے؟ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس پہاڑیاں ہیں، امام احمد رضا نے یہ نہیں فرمایا کہ پہاڑ پر چڑھ کر اگر دیکھا جاتا تو رویت ممکن تھی؛ اس لیے کہ امام احمد رضا خوب جانتے تھے کہ ناظر جس قدر اوپر جائے گا، اسی اعتبار سے تقاطع کا مرئی حصہ کم سے کم تر ہوتا جائے گا؛ اس لیے ۲۹ صفر کو جب زمین سے چاند دیکھنے کا غیر متوقع احتمال ہے تو پہاڑ کے اوپر سے اور زیادہ غیر متوقع ہو جاتا اور جب ہلال زمین سے دیکھنے پر حد رویت پر نہیں ہو سکتا تو کسی اونچائی سے دیکھنے میں بھی حد رویت پر نہیں ہو سکتا۔

ذیل میں ہم ”فتہی بصیرت“ سے کچھ ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو امام احمد رضا کی تصنیف ”جد الممتار“ کا فصیح ترجمہ ہیں۔ اس مضمون میں بھی ۲۸ تاریخ کو رویت ہلال کی بابت مذکور ہے۔

أقول الحق ان شاء الله تعالى التفصيل معاملة یہ ہے کہ یہاں دو باب ہیں

(۱) باب قواعد رویت ہلال

(۲) سیر شمس و قمر، ان کے طلوع و غروب اور منازل قمر کا باب

اوّل کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں؛ اس لیے کہ خود ان کا اس باب میں کثیر اختلاف ہے؛ کسی قطعی قول تک رسائی نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ آشنائے فن سے مخفی نہیں؛

اس لیے محسّطی میں اس کی کوئی بحث نہیں رکھی، باوجودے کہ اس میں متحیرہ (planets) اور ثوابت (stars) کے ظہور و خفا پر بھی کلام کیا ہے؛ اس وجہ سے کہ انھیں معلوم تھا کہ رویت ہلال ایسی چیز ہے، جو ضوابط کی گرفت سے باہر ہے، یہی وہ باب ہے جسے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رد کر دیا

ثانی بلاشبہ یقینی ہے، اس پر قرآن عظیم کی متعدد سورتیں شاہد ہیں، جیسے ارشاد باری ہے: ”الشمس والقمر بحسبان“ چاند اور سورج ایک حساب سے ہیں (الرحمن: ۵)، ”والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم“ اور سورج اپنے ٹھہراؤ کے لیے چلتا ہے، حکم ہے زبردست علم والے کا (یس: ۳۸) اور ”والقمر قدر له منازل حتى عاد كالعرجون القديم“ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال (یس: ۳۹)۔

تو اگر اہل حساب، علمائے عادل باب اوّل کی بنیاد پر یہ کہیں کہ رویت ممکن نہیں اور پینہ عادلہ رویت کی شہادت دے تو شہادت قبول کی جائے گی۔

اور اگر باب ثانی کی بنیاد پر کہیں جیسا کہ مسئلہ دوم میں ہے، تو قطعی امر ہے، جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، کیونکہ عادتہ رویت ہلال ممکن نہیں، جب تک کہ چاند سورج سے دس درجے، بلکہ زیادہ دوری پر نہ ہو، تو دن میں طلوع آفتاب سے پہلے پھر رات میں غروب آفتاب کے بعد بھی اس کی رویت ہو تو یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ چاند نے دن بھر کے اندر بیس درجے سے زیادہ مسافت طے کر لی، جبکہ قطعاً

معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریباً بارہ درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کر سکتا تو اس میں سنتِ الہی کی تبدیلی لازم آئے گی، ”ولن تجد لسنة الله تبديلاً“ اور خدا کی سنت میں ہرگز تمہیں کوئی تبدیلی نہ ملے گی، ایسی صورت میں صاحبِ علم قطعی طور سے یہ حکم کرے گا کہ گواہوں کو اشتباہ ہو گیا، اور قطعی کو رد نہیں کیا جاسکتا، شاید امام سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد یہی ہے، تو اس سے دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی، اور اس کی نظیر ہمارے اس رمضان، ۱۳۳۰ھ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے سارے اطراف میں تمام لوگوں نے پنج شنبہ (جمعرات) کو روزہ رکھا، جبکہ چہار شنبہ (بدھ) کو ماہ رمضان کی اٹھائیس تاریخ تھی، تو بدایوں میں ہمارے دوست مولوی عبدالمقتدر صاحب کے یہاں تین، یا پانچ آدمیوں نے شہادت دی کہ انھوں نے چاند دیکھا ہے اور بدلی میں تھا، انھوں نے گواہی قبول کر لی اور لوگوں کو عید کا حکم دے دیا، جسے ان کے ماننے والوں میں سے چند ہی افراد نے قبول کیا، باوجود دے کہ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ گواہوں سے غلطی ہوئی، اس کی پانچ وجہیں ہیں سبھی باب ثانی پر مبنی ہیں، باب اوّل پر نہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ اس دن یعنی بدھ کو شمس و قمر کا اجتماع (new moon)

راج گھڑیوں سے نونج کر اٹھارہ منٹ پر تھا اور غروب آفتاب چھ بج کر ۲۳ منٹ پر تو عادتاً یہ محال ہے کہ اجتماع کے نو گھنٹے چند منٹ بعد رویت واقع ہو جائے۔

(۲) دوم تقویم آفتاب اور تقویم قمر کے درمیان غروب شمس کے وقت

فصل تقریباً پانچ درجے سے زیادہ نہ تھی، آفتاب سنبھلے کے انیسویں (۱۹ روئیں) درجے میں اور چاند اسی کے تیسویں (۲۳ روئیں) درجے میں تھا اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ محض اتنی فصل پر ہلال کی رویت اس کے خالق ذوالجلال کی سنت مستمرہ معلومہ کے خلاف ہے۔

(۳) قمر کا غروب مرکزی (یعنی چاند کے مرکز کا غروب) جس کا غروب ہلال میں اعتبار ہے، اس لیے کہ یہ چاند کے نصف اسفل میں ہوتا ہے، چھ بج کر انتالیس (۳۹) منٹ پر ہوا، یعنی غروب آفتاب کے سولہ منٹ بعد اور تجربہ سے یہ قطعاً معلوم ہے کہ غروب آفتاب کے بیس منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صولت ہوتی ہے کہ عادیۃً انیسویں (۲۹ روئیں) کا چاند بھی اس میں نظر آنا ممکن نہیں، پھر جب ہلال حد رویت پر پہنچے گا، تو اس سے چند منٹ قبل زمین کے نیچے جا چکا ہوگا، تو نظر کیسے آئے گا؟

امام احمد رضا کی منقولہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جب تک قمر آفتابی شعاعوں کی صولت سے باہر نہیں آجاتا، رویت محال ہے اور باہر آنے کے لیے بعد معدل ہو یا بعد سوا دس درجے سے زیادہ ہونا ضروری ہے، ۲۷، ۲۸، ۲۹ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب اتنی دوری نہیں ہوتی، بلکہ ۲۸ کو چاند تحت شعاع آفتاب ہوتا ہے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ چاند، سورج دونوں ہی تقریباً ساتھ ساتھ ہی غروب ہوں گے اور ۲۷ کو چاند، آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو جاتا ہے؛ اس

لیے دونوں تاریخوں میں رویت ہلال کسی طرح ممکن نہیں، انسان پہاڑ پر چڑھ جائے خواہ ہوائی جہاز سے بلندی پر پرواز کر جائے، اس سے چاند، سورج کی تقویم اور ان کے بعد معدل کے درمیان کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نہ آفتابی شعاعوں کی صولت سے چاند باہر آ جاتا ہے، بلکہ انسان جس قدر اوپر اٹھتا جائے گا قمر کے زیریں تقاطع کا حصہ کم سے کم ہوتا جائے گا، اس لیے ۲۷، ۲۸ تاریخ کو رویت ہلال محال ہے، اگرچہ دائرۃ رویت اور دائرۃ النور کے درمیان فی نفس الامر تقاطع ہو۔

جاری ہے۔۔۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جون، ۱۹۹۹ء)

20180713

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: +92 332 3531226

fb.com/ilmetauqeet

دوسری آخری قسط

یہ مضمون چونکہ خالص علمی ہے؛ اس لیے عام قارئین کا خیال کرتے ہوئے برائے تفہیم مختصر انداز میں کہا جاسکتا ہے کہ

(۱) امام احمد رضا فرماتے ہیں ”جبکہ قطعاً معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریباً ۱۲ درجے سے زیادہ مسافت طے نہیں کرتا“

(فقہی بصیرت، ص ۵۰)

(۲) امام احمد رضا فرماتے ہیں ”ماہِ قمری ۳۰ دن سے زیادہ اور ۲۹ دن سے کم نہیں ہوتا۔“

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۳۰)

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر ۲۸ تاریخ کو اجتماع ہو تو پورے ایک دن رات میں ۱۲ درجے مسافت طے کرنے کی وجہ سے قمر اور سورج کے مابین اتنا بُعد (فاصلہ) حاصل ہو جائے گا، جو رویت کے لیے شرط ہے اور ۲۹ تاریخ کو رویت ممکن ہو جائے گی؛ اس لیے ۲۹ کو اگر رویت ہو تو ۲۸ تاریخ کو قمرین کے باہم اجتماع ہونے کی وجہ سے دونوں کا غروب ساتھ ساتھ ہوگا، لہذا ۲۸ تاریخ کو رویت کی کوئی صورت ہی نہیں، ۲۷ تاریخ کو قمر سورج سے پہلے ڈوب جائے گا تو پھر رویت کا مسئلہ بھی نہیں اٹھتا، اور اگر ۲۸ کے بعد اجتماع ہو تو ۲۹ کے بجائے ۳۰ کی رویت ہوگی، ۲۸

اور ۲۷ کو چاند آفتاب سے کچھ (مغرب) ہوگا، اور آفتاب سے پہلے ہی ڈوب جائے گا، لہذا ۲۸/۲ ہو، یا ۲۷/۲ ان تاریخوں میں رویت قطعاً ممکن نہیں؛ اس لیے ہوائی جہاز سے بلندی پر جانے کے بعد بھی ۲۷/۲، ۲۸/۲ تاریخوں میں چاند دیکھنا قطعاً محال۔

رویت ہلال کے حساب لگانے میں بعدِ سواء اور بعدِ معدل کے استخراج کے لیے شمس و قمر کے اجتماع حقیقی اور ان کی حرکت تقویمی کا لحاظ ہوتا ہے، اگر اجتماع کے بعد بعدِ سواء اور بعدِ معدل دونوں ہی اپنی شرط پر ہوں تو رویت کا امکان ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور چونکہ یہ حرکت غیر منضبط ہوگی (کما مقرر)؛ اس لیے یہ اجتماع کبھی دن کے کسی حصے میں ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ہلال کے حدِ رویت کا مقام اور اُفق بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح چاند کے اماؤس میں داخل ہونے اور اماؤس سے باہر آنے کے اوقات بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں، لیکن سہولت کے لیے باعتبارِ امرِ اوسطیہ مانا جاتا ہے کہ جب ۲۷/۲ یوم، ۷/۲ گھنٹے اور ۴۴ منٹ کی مدت گزر جاتی ہے تو چاند اماؤس میں آ جاتا ہے، جسے لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند چھپ گیا، اور ۲/۲ یوم، ۵/۲ گھنٹے تک اماؤس میں رہتا ہے اور اس مدت کے درمیانی وقت میں اجتماع ہوتا ہے یعنی اماؤس کے آغاز سے ایک یوم، دو گھنٹے اور ۳۰ منٹ بلفظ دیگر ۲۸/۲ یوم، ۱۰/۲ گھنٹے اور ۱۴ منٹ میں اجتماع ہو جاتا ہے اور حالتِ اجتماع سے وضعِ ہلالی تک آنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے، ۲۹/۲ یوم، ۱۲/۲ گھنٹے اور ۴۴ منٹ کے بعد ہلال امکانِ رویت کے تحت آ جاتا ہے۔

اجتماعِ نیرین سے کچھ دنوں پیش تر چاند سورج سے کچھ (مغرب) اور پھر

اجتماع کے بعد پورب (مشرق) پہنچ جاتا ہے، تو اگر اجتماع ۲۸/یوم، ۱۰/گھنٹے اور ۱۲/منٹ پر مانا جائے تو چاند ۲/۲۸ اور ۲۸/کو بھی یقیناً سورج سے کچھم (مغرب) ہونے کی وجہ سے آفتاب سے پہلے ہی غروب ہو جائے گا۔ سطح زمین، یا کسی اونچی جگہ سے چاند کی طرف نظر کرنے کی صورت میں بہر حال آفتاب کی تیز شعاعیں حائل ہو جائیں گی، چونکہ چاند کچھم (مغرب) اور سورج پورب (مشرق) ہے؛ اس لیے ان تاریخوں میں چاند نظر آنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور اگر اجتماع ۲/۲۸ اور ۲۸/کے درمیان مانا جائے تو ۲/۲۸ کے دن قمر سورج سے کچھم (مغرب) ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ڈوب جائے گا؛ اس لیے رویت کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا، البتہ ۲۸/کے دن قمر سورج سے پورب (مشرق) ہونے کی وجہ سے بعد میں غروب کرے گا، مگر اس قلیل مدت میں بعد سواء اور بعد معدل کی شرط حاصل نہ ہونے کی وجہ سے قمر آفتابی شعاعوں کی صولت میں گم ہو جائے گا، اور ساتھ ہی قدر معتد بہ کا تقاطع بھی حاصل نہ ہو سکے گا، اور اگر ہوائی جہاز سے پرواز کر کے اونچائی پر پہنچا جائے تو یہ قدر غیر معتد بہ بھی لاپتہ ہو جائے گی اس لیے ان تاریخوں میں رویت کی بات ہی بیکار ہے، الغرض یہاں بھی فتویٰ کا کلیہ ٹوٹ جاتا ہے؛ اس لیے یہ بالکل صحیح اور حق بات ہے کہ فتویٰ میں درج شدہ کلیہ ایسا کلیہ ہے، جو اپنے جزئیات میں سے کسی پر منطبق نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ۲۹/تاریخ کو رویت ممکن ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ جزئیات مؤامرہ کی روشنی میں ہوتا ہے، اگر اس تاریخ کو بعد معدل اور

بُعدِ سوا اپنی شرط پر ہوں تو ممکن ہے، ورنہ نہیں۔ باقی ۲۷، ۲۸ کی تاریخوں کے لیے استخراجِ تقویم کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا کافی ہے کہ ۲۸ تاریخ کو قمرین اجتماع، یا قرب اجتماع کی حالت میں ہوتے ہیں؛ اس لیے آفتابی شعاعوں کی صولت کی وجہ سے چاند ہرگز نظر نہیں آسکتا، اور ۲۷ کو چونکہ چاند آفتاب سے کم از کم ۱۲ ڈگری چھٹم (مغرب) ہوتا ہے؛ اس لیے وہ غروب آفتاب سے کم از کم ۴۸ منٹ پہلے ہی ڈوب جاتا ہے اس لیے اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں۔ ہم نے اپنے موقف کے لیے اسی طریقہ کو اپنایا ہے، لیکن امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں ۲۹ رصفِ وسطیٰ کی رویت کے امکان اور عدم امکان کی بحث چھیڑی؛ اس لیے وہاں ضروری ہوا کہ جزئیاتِ مؤامروہ کی جدول تیار کر کے حکم صادر فرمائیں، اور جب ایک دو دن پہلے بات آئی تو بلا جدول یہ کہہ کر کام تمام فرما دیا کہ شام یکشنبہ (اتوار) اور شامِ شنبہ (ہفتہ) کو تو قمر غروب آفتاب سے پہلے ہی ڈوب گیا۔ تو کیا زمین چیر کر رویت ہوتی؟ جدالِ مستار میں جس فتویٰ پر بحث کی گئی ہے وہاں بھی یہی حال تھا کہ دن تو متعین تھا، لیکن تاریخ مختلف فیہ تھی، کچھ لوگ ۲۹ اور کچھ لوگ ۲۸ رکھتے تھے؛ اس لیے رویت ہلال کے استحالہ پر دلیل لانے کے لیے تقویم کی بحث لانی پڑی، تاکہ فریقِ ثانی پر حجت قائم کی جاسکے۔

یہاں بطورِ معارضہ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ”چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور کوہِ ہمالہ کی چوٹی پر پہنچ کر اگر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷، ۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے (جبکہ ہوائی جہاز ۲ اور ۲۴ میل ہی اوپر اڑتا

ہے اور کوہ ہمالہ کی چوٹی ۵ میل اوپر ہے) تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا اور نہ ہی کوئی عاقل اس کا اعتبار کرے گا۔

صحت انتساب کے قائلین پر اس معارضہ کا بھی جواب دینا بہت ضروری ہے
وَدُونَهُ خَرَطُ الْقِتَادِ

فکرو فن، ہیئت و زیجات کے جتنے مباحث پیش کیے گئے ہیں اگر ان میں صرف نظر کر کے صرف فتویٰ کی عبارت پر بھی غور کیا جائے تو اس میں متضاد امور مذکور ہونے کی وجہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ فتویٰ سرکار حضور مفتی اعظم ہند کا نہیں ہو سکتا، ہرگز نہیں ہو سکتا! ہرگز نہیں ہو سکتا!! اس بات کو سمجھنے کے لیے چند امور ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

(۱) زیر بحث فتویٰ میں جہاں چاند نظر آنے، یا نہ آنے کی بات ہے وہاں چاند سے مراد اس کا ہلالی حصہ ہے

(۲) یہ ہلالی حصہ جو شرعاً معتبر ہے وہ چاند کے نصف اسفل (نیچے والا) ہی میں ہوتا ہے، جسکی رویت پر حکم شرع ہوتا ہے، امام احمد رضا کا فرمان ماسبق میں گزرا ”قمر کا غروب مرکزی، جس کا غروب میں اعتبار ہے، اس لیے کہ یہ چاند کے اسفل میں ہوتا ہے“

(۳) یہ ہلالی حصہ اسی وقت نمودار ہو سکتا ہے، جبکہ سورج غروب ہو جائے، ورنہ ناظر و قمر کے درمیان شعاع شمسی کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند کا نمودار ہونا محال ہے۔

(۲) بوقت غروب آفتاب قمر سورج سے پورب (مشرق) تقریباً دس درجے سے زیادہ افق کے اوپر ہو اور سورج قمر سے اتنی ہی دوری پر کچھم (مغرب) ہو (کماؤ مراداً) اس تمہید کے بعد غور کیجیے اور زیر بحث فتویٰ کی تحلیل فرمائیے، فتویٰ میں درج ہے ”چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا، اس لیے کہیں ۲۹ اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے“ یعنی جہاں وقت غروب آفتاب چاند افق پر علی حد رویت ہوتا اور غروب نہیں ہوتا، مثلاً مقامات غربیہ میں وہاں ۲۹ کو نظر آ جاتا ہے اور جہاں غروب ہو جاتا، مثلاً: مقامات شرقیہ میں وہاں ۲۹ کو نہیں، بلکہ ۳۰ کو نظر آتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۲۷، ۲۸ کو دنیا کی کسی بھی جگہ سے چاند کیوں نظر نہیں آتا؟ تو فتوے کے حکم کے مطابق جواب یہ ہے کہ ان تاریخوں میں اگرچہ چاند فنا نہیں ہوتا، لیکن غروب آفتاب کے وقت، یا اس سے پہلے ہی غروب ہو جاتا ہے؛ اس لیے نظر نہیں آتا، پھر آگے فتویٰ میں ارشاد ہے ”جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷، ۲۸ کو بھی نظر آ سکتا ہے، تو کیا ۲۷، ۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا۔“

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اب مزید غور فرمائیے کہ جب ۲۷، ۲۸ کو قمر آفتاب کے ساتھ، یا اس سے پہلے غروب ہو چکا تو یہ صورت یقیناً اجتماع قمرین کی ہوگی، یا پھر قمر سورج سے کچھم (مغرب) تھا، اس لیے حسب تمہید (۳) اور (۴) ہلالی حصہ نمودار نہیں ہو سکتا کہ اس کے لیے قمر کا سورج سے پورب (مشرق) ہونا ضروری ہے اور یہاں ایسا نہیں، تو پھر خواہ زمین سے مشاہدہ کرے، خواہ بلندی سے، ہلال کیسے نظر آ سکتا ہے،

بفرض محال و بطریق تنزل اگر کچھ بھی ہلالی صورت نمودار ہو جائے تو بلندی سے دیکھنے میں وہ حصہ بھی معدوم ہو جائے گا (کما مَرَّ سابقاً) اور ساتھ ہی جب قمر سورج سے کچھ (مغرب) ہوگا تو اونچائی سے قمر کو دیکھنے کی صورت میں آفتابی شعاعیں ضرور حائل ہوں گی کہ سورج، چاند سے پورب (مشرق) ہے، کیونکہ بلندی سے اگر ڈوبا ہوا چاند نظر آسکتا ہے، تو سورج جو چاند سے پورب (مشرق) ہے وہ نگاہ کے سامنے آئے گا، اور صورت اجتماع میں چونکہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں، اس لیے چاند کی طرف نظر کرنے میں سورج کی شعاعوں کا حائل ہونا بدیہی (لازم) ہے، اس لیے ہلال تو کیا، چاند بھی نظر نہیں آئے گا۔

چنانچہ جب ۲۷/۲۸ رتارخ کو رویت کی کوئی صورت نہیں تو پھر یہ تفریع کیونکر درست ہوگی کہ ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا؟

الغرض فتوے کی عبارت متضاد باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بدیہی البطلان (لازم غلط) ہے، ہاں اگر فتویٰ میں بجائے غروب کے یہ عبارت ہوتی کہ ”چاند فنا نہیں ہوتا بلکہ چھپ جاتا ہے جیسے اماؤس کے زمانہ میں ہوتا ہے، اس لیے وہ کہیں ۲۹ کو نظر آتا اور کہیں نظر نہیں آتا ہے، جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے“ تو عبارت جامع اور مختصر ہو جاتی، اگرچہ یہ بات فی نفسہ صحیح نہیں، لیکن صورت قابل قبول معلوم ہوتی، تو کتنا تفصیلہ بلا اختیار

کاش!! کوئی بتا دیتا کہ پاکستانی واقعہ کس سال اور کس ماہ قمری میں واقع ہوا

تھا؟ تو میں تقویمات استخراج کر کے مزید ثابت کر دیتا کہ یہ محض کہانی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہی نہیں، بلکہ اس فتویٰ میں ایک بڑی قباحت اور ہے، جس کی وجہ سے اس کا انتساب قطعاً حضور مفتی اعظم ہند کی طرف درست نہیں، اس کے لیے ایک تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جس طرح آفتاب فلک کی گردش کی وجہ سے طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اسی طرح قمر بھی طلوع سے غروب تک فلک کے نصف فوقانی میں رہتا ہے، اس نصف فوقانی میں جب تک رہتا ہے وہ نظر آ سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض حالات میں، مثلاً اماؤس میں، یا قمر شمس کے وقت وہ نظر نہیں آ سکتا، اور بدرِ کامل اور کامل گہن کے علاوہ تمام اوضاع میں قمر پر دائرہ رویت اور دائرہ نور کا تقاطع ہوتا ہے لیکن ہلال نہ ہر تقاطع کے حصہ کو کہتے ہیں اور نہ ہلال کی رویت (جس پر ۲۹ کے مہینے کا شرعاً حکم ہوتا ہے) ہر دن ہوتی، ہر دن جو تقاطع نظر آتا ہے، یا آ سکتا ہے، وہ ہلال کے علاوہ دوسری وضع ہے، جسے ہم چاند ہی کہتے ہیں، ورنہ پھر پورے مہینے کے کسی بھی دن مثلاً ۶، ۷، ۸، ۹ وغیرہ کو بھی رویت ہلال مان کر شرعاً ایک مہینے کے اختتام اور دوسرے مہینے کی ابتدا کا حکم دینا صحیح ہو جائے گا۔ یہاں چونکہ بحث اس ہلال کی ہے جس پر ایک مہینے کے اختتام اور دوسرے مہینے کی ابتدا کا مدار ہے، یعنی ۲۹ رویت کے ہلال کی، رہی ۳۰ تاریخ تو اس میں ہلال نظر آئے، نہ آئے، اس پر حکم کا مدار نہیں، اس لیے ہلال عند الشریع قمر کے اس حصہ تقاطع کا نام ہے، جو اماؤس کے بعد ۲۹ کی شام کو بعد غروب

آفتاب افق غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات علی الزجج الاہل الایلیخانی میں معرفت وقت رویت الہلال کے تحت ہے، ”والذی ہو مستعمل فی اکثر الاوقات الیوم التاسع والعشیرین ماضیا ائی من الاجتماع فی وقت غروب الشمس نستخرج فیہ تقویم النیرین“ الخ (ص: ۱۳۵)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ”بہادر خانی“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ”درد استن رویت اہلہ روز بست ونہم از ماہ عربی تقویم آفتاب وماہ“ الخ (ص: ۱۵۷)

اس تمہید کے بعد زرافتوی کے الفاظ کو ملاحظہ کریں اور ”ہوائی جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو بلندی پر جانے پر ۲۷/۲۸ کو بھی نظر آسکتا ہے، تو کیا ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے گا“ استفہام انکاری بتاتا ہے کہ حکم نہیں دیا جائے گا، اس استدلال کا مطلب یہ ہے کہ بذریعہ ہوائی جہاز اگر چاند نظر آئے تو لازم آئے گا کہ ۲۷/۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے، مگر ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم دینا باطل؛ اس لیے بذریعہ ہوائی جہاز چاند دیکھنا باطل۔ مگر افسوس!! کہ فتویٰ نگار نے یہ غور نہیں کیا کہ ان تاریخوں میں (بفرض محال) اگر نظر آسکتا ہے تو چاند نظر آسکتا ہے، ہلال نہیں؛ اس لیے کہ ہلال تو وہ حصہ تقاطع ہے، جو ۲۹ کی شام کو بوقت غروب شمس افق غربی پر نظر آنے کے قابل ہوتا، مہینے کے آغاز ہونے کے بعد سے ۲۸ رتاریخ بلکہ ۲۹ رتاریخ کی صبح تک جو نظر آتا ہے، یا آسکتا ہے وہ ہلال ہی نہیں ہے، وہ تو محض چاند ہے جس پر حکم شرع نہیں ہوتا، یعنی یہاں مقدم و تاالی میں علاقہ لزوم ہی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہو کہ لازم آتا ہے ۲۷/۲۸

۲۸ کو بھی چاند کا حکم دیا جائے۔ اس صورت میں حکم نہ دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ جہاز سے بلندی پر جا کر چاند دیکھا گیا، بلکہ حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ (بفرض محال) اگر ۲۷/۲۸، ۲۸ کو بلندی پر جانے سے نظر آیا تو وہ چاند نظر آیا، ہلال نظر نہیں آیا، اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں ہوتا، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے، یہاں ۲۷/۲۸ کو رویت ہلال ہی نہیں ہوئی، بلکہ دراصل چاند دیکھا گیا۔ الغرض استدلال میں جو لازم ہے وہ مدار حکم نہیں، اور جو مدار حکم ہے وہ لازم نہیں؛ اس لیے ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم نہیں دیا جائے گا، ورنہ اگر سطح ارض سے کسی بھی تاریخ کو مثلاً ۶/۷ کو چاند دیکھے تو کیا ابتدائے ماہ کا حکم دیا جائے گا؟ ہر گز نہیں؛ اس لیے کہ ۶/۷ کو جو یہاں دیکھا گیا وہ چاند تھا اور حکم شرع چاند دیکھنے پر نہیں، بلکہ رویت ہلال پر ہوتا ہے؛ اس لیے اگر ۲۷/۲۸ کو چاند کا حکم نہ دیا جائے تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ ۲۹ کو بھی حکم نہ دیا جائے۔

اس لیے ۲۹ کو خواہ زمین سے ہو یا ہوائی جہاز سے، بہر حال ہلال دیکھا گیا ہے اور ۲۷/۲۸ کو ہلال نہیں، بلکہ چاند، چاند ہلال کے علاوہ دوسری وضع میں دیکھا گیا ہے، اس لیے دونوں کے حکم میں کوئی علاقہ لازم نہیں ہے، فافترقا!

ان باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار ہلال اور چاند کے مابین فرق نہیں جانتا اور نہ ہلال کے دیکھنے کی تاریخ اور اس کی رویت کے وقت سے واقف ہے۔

اس قسم کی بے ربط اور بے سرو پا باتیں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنے والے حضرات پر یہ ضروری ہے کہ اس فتویٰ سے متعلق زیجات، فرامین

امام احمد رضا اور معارضات جو کچھ پیش کیے گئے ان سب کی صفائی پیش کریں ورنہ ہم اپنے موقف پر برقرار ہیں۔

میرا مطبوعہ سابق مضمون اور یہ پیش نگاہ مضمون، دونوں کو پڑھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث فتویٰ اور پاکستانی واقعہ فکرو فن اور اعلیٰ حضرت کے کلام سے متعارض ہیں؛ اس لیے اب یہ صورت ہے کہ

(۱) دونوں میں زیر بحث فتویٰ صحیح، امام احمد رضا کا قول غلط ہے

(۲) امام احمد رضا کا قول صحیح، زیر بحث فتویٰ غلط ہے

(۳) زیر بحث فتویٰ کا انتساب غلط ہے، امام کا قول صحیح ہے

(۴) نہیں نہیں دونوں صحیح ہیں

رفع تعارض کی صورتیں ہیں، ہم نے تیسری صورت اختیار کر لی ہے، اگر کوئی اس

کے علاوہ کوئی صورت اختیار کرتا ہے، تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے قول کی توجیہ کرے۔

زیر بحث فتویٰ میں مذکور بالا قباحتوں کے علاوہ ایک بہت بڑی قباحت یہ بھی

ہے کہ ۲۸ کو تو اجتماع کی وجہ سے رویت ہلال محال ہے، ۲۷ میں آفتاب کے غروب

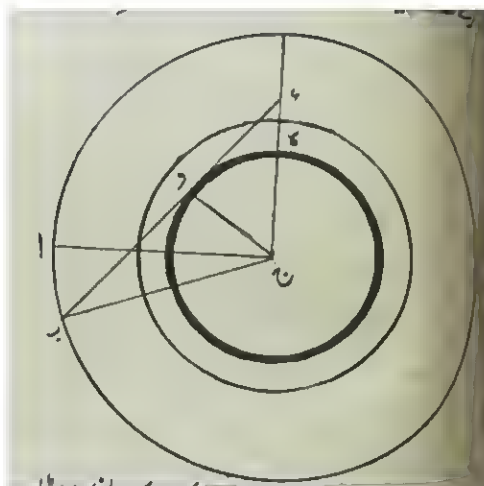
سے تقریباً ۲۸ منٹ پہلے ہی چاند ڈوب جاتا ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے وصال

شریف کے موقع پر جزئیات موامرہ کی جدول کا استخراج فرمایا تو وہاں بھی انھوں نے فرمایا

کہ ۲۷ کو عصر کے مستحب وقت ہی میں چاند ڈوب گیا تھا۔ بہر حال چاند ۲۷ کو وقت

غروب آفتاب افق سے ۱۲ درجے مزید نیچے ہوتا ہے، جو ۲۸ تاریخ کو حالت اجتماع

میں آجاتا ہے اور پھر ۲۹ کروڑ قابل رویت ہوتا، اس لیے ۲۷ کروڑ چاند تک نگاہ پہنچنے کے لیے علم مشاٹ کی روشنی میں سطح ارض سے ۸۰، ۸۵ میل کی بلندی پر جانا ہوگا، اس کے لیے ہکا سا اشارہ کرنے کے لیے ایک شکل پیش کی جاتی ہے، بغور تو جہر مائیں۔



تقویر الف

(۱) سب سے چھوٹا دائرہ کرة الارض اس کے اوپر کرة البخار اور بڑا دائرہ فلک

انقرضے

مقرر رات: ج ۱، خط افق غربی اور ج ب، مرکز عالم سے ۲۷ درجہ کی دوری
دو لاکھ چالیس ہزار میل، ء، و، ب وہ خط جو بلندی سے سطح ارض کو مس کرتا ہوا چاند تک پہنچتا
ہے، ج، و مرکز عالم سے نقطہ تماس تک جانے والا نصف قطر ارض چار ہزار میل اور ج، ء،

مرکز عالم سے جانب سمت الہ اس میں اس کی بلندی کی دوری جہاں سے چاند کو دیکھا جا سکتا ہے، سطح ارض سے جہاز کی بلندی، ہمیں اسی دوری کو معلوم کرنا ہے۔

یہاں مقصد حاصل کرنے کے لیے دو مثلث کا حل کرنا ضروری ہے، پہلا

مثلث ج، و، ب اور دوسرا مثلث ع، و، ج۔

دائرہ کا نصف قطر جب دائرہ کو مس کرنے والے خط کے نقطہ تماس تک پہنچتا ہے، تو وہاں اپنے دونوں پہلو پر وہ زاویہ قائمہ بناتا ہے، اس لیے مثلث ”ج، و، ب“ کے تینوں خطوط بشکل عروسی معلوم ہو جائیں گے اور تینوں ضلع معلوم ہوئے تو پورا مثلث حل ہو گیا، اور زاویہ ”و، ج، ب“ معلوم ہو گیا، اور چونکہ ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ زاویہ ع، ج، ب چاند کے ۱۲ درجے افق کے نیچے پہنچنے کی وجہ سے ۱۰۲ درجے ہے، اس لیے زاویہ و، ج، ب کو جب ہم ان سے تفریق کر لیں گے تو باقی زاویہ ع، ج، و ۱۲ درجے باقی رہ گیا، اس لیے دوسرے مثلث کا زاویہ ع، ج، و ۱۲ درجے معلوم اور زاویہ ع، و، ج بوجہ نقطہ تماس ۹۰ درجے معلوم، اس لیے زاویہ ج، ع، و ۷۸ درجے معلوم اور اس کے اتنے حصے معلوم تو اب ہمیں و، ج معلوم کرنا درج ذیل ضابطہ سے سہل ہو گیا۔

$$\frac{\sin a}{\sin A} = \frac{\sin b}{\sin B} = \frac{\sin c}{\sin C}$$

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ضابطہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے ”در مثلث سطح مستوی است کہ آں جانبست جیب ہر زاویہ بوتر خویش چوں نسبت جیب زاویہ دیگر بوتر آں ست“ المعنی المجلی للمعنی الظلی اس لیے اربعہ متناسبہ یوں قائم ہو گیا۔

۱ : ۹۸ :: ۷، ۷۰۰۰ : ۴۰۰۰ چار ہزار

جس کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ ج = ۸۲.۸۲ میل ہے اور ۷ = ۸۲ میل ہے، چونکہ حساب میں اعشاریہ سے صرف نظر کیا گیا ہے، اس لیے تقریبی جواب یہ ہوا کہ یہ بلندی تقریباً ۸۰، ۸۵ میل ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”زمین کی ہر طرف کرۂ بخار، جسے عالم نسیم و عالم لیل و نہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص ۲۵۹)

علامہ شیرازی نے تحفہ میں لکھا ہے، ”ان کرۃ الهواء تنقسم الى قسمین احدهما الهواء اللطیف الصافی من الأبخرة والأدخنة المتصاعدة من کرئی الارض والماء وثانیها الهواء الکثیف المخلوط بالابخرة و شکل هذا الهواء کرۃ مرکزها مرکز العالم و یسمى کرۃ البخار و عالم النسیم یعنی مہب الريح لان ما فوقها من الهواء الصافی ساکن و کرۃ الیل والنهار، اذھی القابلة للنور والظلمة دون ما فوقها، بحوالہ حاشیہ تصریح ص ۵۴ اور تصریح کی عبارت ”حتى یرى الشعاع المحيط به“ پر حاشیہ میں ہے وکان الهواء المستضی بضیاء

الشمس لكثافة الحاصلة بسبب المجاورة للارض والماء يعنى الهواء المستضى من كوة البخار فان الهواء الذى فوقها لا تقبل الاستضاء للطافة الخ ص ۶۸ اور حاشیہ شرح چننین میں ہے ان فخن كوة البخار احدو خمسون ميلاو تسع وخمسون دقيقه الخ ص ۲۱

اور جب حال یہ ہے کہ لیل و نہار کا تحقق صرف ۵۲ میل اوپر ہی تک ہے، اس کے اوپر فقط تصور ہے، تو کیا پاکستان کے لوگوں نے عالم لیل و نہار سے بھی ۳۰ میل اوپر جا کر ۲۷۰ میل دیکھا تھا اور ساتھ ہی قارئین کو معلوم ہے کہ ہمالہ کی چوٹی تقریباً ۵۷ میل اونچی ہے، اس پانچ میل کی اونچائی پر اتنی برف باری اور ٹھنڈک ہوتی ہے کہ بلا کسی تحفظی سامان کے کوہ پیما وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا، تو ذرا غور فرمائیے کہ کوہ ہمالہ کی چوٹی سے بھی ۷۷ میل اونچائی پر کیا حال ہوگا؟۔ یہ تو پاکستانیوں پر تبصرہ تھا، اب اصل فتویٰ کو ملاحظہ کریں کہ اول تو عام ہوائی جہاز کی پرواز عموماً زیادہ سے زیادہ دو، ڈھائی میل کے اندر ہی ہوتی ہے، اور ۲۷۰ میل کورویٹ کے لیے ۸۲ میل کی بلندی پر جانا ہوگا جو غیر ممکن ہے اور اگر وہاں پہنچ بھی جائے تو جس طرح چاند سامنے ہو جائے گا، اسی طرح سورج بھی آجائے گا کہ وہ چاند سے ۱۲ درجے پورب (مشرق) ہے؛ اس لیے آفتابی شعاعوں کی صولت سے چاند کا نظر آنا محال، اور اگر بفرض محال نظر آ بھی جائے تو وہ چاند ہوگا، ہلال ہو ہی نہیں سکتا کہ ہلال تو وہ ہے جو وقت غروب آفتاب ۲۹ کی شام کو افق غربی پر نظر آئے، کما مری یعنی سورج چاند سے کچھ (مغرب) ہو اور یہاں ۲۷۰ کو خود چاند سورج سے کچھ

(مغرب) ہے؛ اس لیے ہلال کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شروع سے اخیر تک میرا یہ مقالہ پڑھیے اور بار بار پڑھیے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ نگار زبجات کے حسابات سے بے خبر تھے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم تک ان کی نگاہ نہیں پہنچی۔ جدا الیمتار کی عبارت سے وہ غافل تھے۔ فتویٰ نگار وضع ہلالی اور غیر ہلالی کا فرق نہیں جانتے، وہ کسی بھی تاریخ کے حصہ تقاطع کو ہلال سمجھتے تھے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ۲۸ کو اجتماع ہوتا ہے، انھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ۲۷ کو چاند دیکھنے کے لیے کتنی بلندی پر جانا ہوگا؟ نہ انھیں یہ خبر تھی کہ عالم لیل و نہار کی اونچائی کتنی ہے؟ نہ انھیں یہ خبر تھی کہ ۲۷ کو چاند دیکھنے کے لیے عالم لیل و نہار سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچ کر کرہ زہریر یہ سے گزر کر دوسرے طبقے میں پہنچ جانا پڑے گا، جہاں انسان تو کیا! خود ہوائی جہاز بھی ایک منجھڑھا نچہ میں بدل جائے گا!! ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹی، جو تقریباً ۵ میل بلندی پر ہے، وہاں جب غضب ناک جان لیوا جھکڑ چلتا ہے تو پھر ۸۲ میل کی اونچائی پر کیا حشر ہوگا؟ فتویٰ نگار کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اگر اتنی بلندی پر افق کے نیچے مجھے چاند نظر آسکتا ہے تو افق کے نیچے غائب ہونے والا سورج بھی نظر کے سامنے آجائے گا اور آفتابی شعاعوں کی صولت میں چاند کا دیکھنا محال ہو جائے گا۔ ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ ۲۹ تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق غربی پر نظر آنے کے قابل تقاطع کو ہلال کہا جاتا ہے، جس پر امور شرعیہ کا حکم ہوتا ہے، ۲۷، ۲۸ تاریخ میں جو تقاطع ہوتا ہے، اگر بفرض محال نظر آ بھی جائے تو وہ نہ ہلال ہے اور نہ اس پر حکم شرع کا

مدار ہے۔ اس لیے فتویٰ میں یہ کہنا کہ ”جہاز اڑا کر چاند دیکھنا شرط ہو تو ۲۷، ۲۸، ۲۹ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷، ۲۸، ۲۹ کو بھی چاند دیکھنے کا حکم دیا جائے گا“، سراسر بے محل اور لغو بات ہے، اس لیے کوئی اس فتویٰ کو مفتی اعظم ہند کی نگارش سمجھتا ہے تو سمجھا کرے، لیکن بندہ ناچیز یہ کہتا رہے گا کہ کسی شاطر اور زیرک آدمی نے اسے اختراع کر کے پھیلایا ہے۔ العیاذ باللہ

سمٹ کر رہ گیا قطرے میں پھر بھی

جو بحر بیکراں تھا دل میں میرے

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فتویٰ میں حکم دیا گیا ہے کہ چاند سطح زمین، یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملے ہوئی ہو، وہاں سے دیکھنا چاہیے، ہوائی جہاز سے بلندی پر سے دیکھنا شرعاً غیر معتبر ہے۔ فتویٰ کا یہ جبری حکم بھی ذہن و فکر میں ہیجان پیدا کرتا ہے کہ جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ جس طرح پانی ایک جسم اور عنصر ہے، اسی طرح ہوا بھی زمین سے ملے ہوئی ہے اور جس طرح پانی رطب ہے، اسی طرح ہوا بھی رطب ہے، جس طرح پانی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتا، اسی طرح ہوا بھی انسانی بوجھ کو نہیں سہار سکتی، جس طرح بذریعہ واسطہ یعنی دخانی جہاز پر بیٹھ کر بحری سفر کیا جاتا ہے، اسی طرح بذریعہ واسطہ یعنی ہوائی جہاز پر بیٹھ کر سفر کیا جاتا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سمندر میں دخانی جہاز پر بیٹھ کر اگر رویت ہلال ہو تو معتبر ہے اور فضا میں ہوائی جہاز پر بیٹھ کر رویت ہو تو غیر معتبر، جبکہ جس طرح پانی زمین سے ملا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی زمین سے ملے ہوئی ہے؛

اس لیے فتویٰ میں جو ضابطہ بیان کیا گیا کہ ”چاند ایسی جگہ سے دیکھنا چاہیے، جو زمین سے ملی ہوئی ہو؛ یہ بات دونوں جگہ، یا سمندر اور فضا میں کیوں مؤثر نہیں؟ چاند دیکھنا عبادت مقصودہ نہیں کہ اسے امر تعبیدی کہہ کر سوال کو ٹال دیا جائے، یا ردی کے کھاتے میں ڈال دیا جائے، بلکہ جو حضرات اس فتویٰ کے اغتساب کو حق ماننے کے دعویدار ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ماخذ اور جزئیہ پیش کریں اور ساتھ ہی دونوں کے مابین وجہ فرق بیان کریں ورنہ خطر القتاد۔

یاد رہے مفتی اعظم ہند بغیر کسی سند، یا بغیر کسی ماخذ کے ایسا کبھی بھی نہیں فرما سکتے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ پانچ میل اوپر یعنی کوہ ہمالہ کی چوٹی سے رویت ہلال معتبر مانی جائے گی، لیکن اگر دس بیس یا پچاس فٹ اوپر فضا میں ہیلی کاپٹر روک کر رویت ہلال حاصل ہو تو یہ رویت معتبر نہیں۔ ان دونوں صورتوں کے مابین عقلی، یا نقلی توجیہ کرنا ضروری ہے، جس سے فرق واضح ہو جائے۔

عالی جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے ایک مقالے میں رقم طراز ہیں کہ سب سے پہلے اس فتویٰ کو میں نے ہندوستان میں پیش کیا، اس کے بعد دوسرے لوگ اپنی تحریروں، یا تقریروں میں پیش کرتے رہے، یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ زیر بحث فتویٰ کی روایت خبر واحد کی سی ہے، اور جب یہ زیر بحث فتویٰ اس قدر نظری ہے تو خبر واحد کی بنیاد پر اس کی تشہیر قطعاً علم و فضل والے لوگوں کو زیب نہیں، بلکہ خبر واحد پر اعتماد کرنے کے جتنے مقتضیات ہیں، سب کو پورا کرنا ضروری ہے۔

وہ حضرات جو فقط انتساب کے انکار پر ہم پر اتنا براہم ہیں، ان کو چاہیے کہ ماضی کی اس روایت کے متعلق بھی غور کریں کہ سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق اپنا فتویٰ صادر کیا اور وقت کی عظیم ہستیاں مثلاً حضرت شاہ اجمل صاحب، شیر پیشہ اہلسنت، حضرت برہان المملیہ، حضرت محدث اعظم ہند، ان کے علاوہ صدر العلماء، سید العلماء، شمس العلماء اور دیگر بلند شخصیتوں نے اس فتویٰ کی تائید اور تصدیق فرمائی۔

لیکن سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی حیاتِ مقدسہ ہی میں ایک ٹولی نے ”منظر اسلام“ کی چہار دیواری میں بیٹھ کر اس کا رد کیا اور معاذ اللہ استہزاء بھی اڑایا، لیکن لوگ سنتے رہے اور تماشا شائی بن کر خاموش بیٹھے رہے، اور آج ہم نے علم و فن اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کی وجہ سے فقط انتساب کا انکار کیا تو ہم کو بغاوت کا تمغہ دیا جا رہا ہے، جبکہ میرے مضمون کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس فتویٰ کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے، وہ سب اپنی فہم ناقص کے مطابق شبہات عرض کیے ہیں، اگر کوئی صاحب تحقیق تلاش و جستجو کر کے ہمارے شبہات کو دور فرمادیں تو میں ان کا بے حد ممنون ہوں گا۔

بفرض غلط اگر اس فتویٰ کا انتساب سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کی طرف دلائل و براہین سے ثابت ہو جائے تو بہر حال یہ بات یقیناً غلط ہوگی کہ آئندہ ماہ پاکستان میں ہوائی جہاز جب بلندی پر گیا تو ۲۷ اور اسی طرح ۲۸ کو کبھی چاند نظر آیا، رہی یہ بات کہ انتساب کی حقیقت پر میرا موقف کیا ہوگا، تو اس کا فقط ایک ہی جواب ہے کہ میرا یہ تطفل ہوگا، جس طرح ساڑھے اڑتالیس درجے عرض البلد کے متعلق شامی نے یہ فرمایا

کہ ”وہاں عشا کا وقت نہیں ہوتا اور وجہ یہ بتائی کہ چونکہ وہاں رات صرف تین گھنٹے کی ہوتی ہے، ڈیڑھ گھنٹہ وقت مغرب اور ڈیڑھ گھنٹہ فجر میں تمام ہو جاتا ہے، اس لیے عشا کا وقت ہوتا ہی نہیں“، لیکن امام احمد رضا نے ہیئت کی رو سے حساب کر کے بتایا کہ نہیں ایسا نہیں، وہاں آٹھ گھنٹے تک کی رات ہے، رہا عشا کا وقت وہاں کیوں نہیں ہوتا؟ تو وہ اس لیے کہ آفتاب وہاں کے افق سے اٹھارہ درجے نیچے نہیں جاتا، اسی طرح امام احمد رضا نے تطفیل کہہ کر بہت سے متقدمین کی عبارت میں اپنا موقف ظاہر فرما دیا، اگر ایسا کرنا، جیسے امام نے تطفیل فرمایا ہے یہ بغاوت ہے تو معاذ اللہ امام احمد رضا نے اپنے اسلاف اور متقدمین سے بہت سی بغاوتیں کی ہیں، العیاذ باللہ۔

مضمون کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میں ان باتوں کو پیش کرنے جا رہا ہوں، جن کا اظہار قطعاً مناسب ہے، لیکن حالات کے پیش نظر ان کا اظہار بھی ضروری ہے۔

(۱) جب مفتی افضل حسین اور ان کے ہم نواؤں نے لاؤڈ اسپیکر سے متعلق مفتی اعظم کے فتویٰ کا رد کیا تو اولاً اس بندہ ناجیز نے مفتی اعظم ہند کے موقف کی وضاحت کر کے مفتی افضل حسین وغیرہ کا رد کیا، جسے آج بھی ”قول فصیل“ نامی کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) امام احمد رضا اور الجبر والمقابلہ

(۳) امام احمد رضا اور علم جفر

(۴) امام احمد رضا کی علم ہند سے پر نقد و نظر

(۵) امام احمد رضا اور علم المساجد

(۶) امام احمد رضا اور علم التفسیر

(۷) امام احمد رضا اور لوگا رشم

(۸) امام احمد رضا اور علم مثلث مسطح

(۹) امام احمد رضا اور مثلث کروی

(۱۰) امام احمد رضا اور ربع مجیب

(۱۱) امام احمد رضا اور اسطرلاب

(۱۲) امام احمد رضا اور خلا پیائی

(۱۳) امریکی سمت قبلہ کی بحث میں ہم نے ہی امام احمد رضا کی تصنیف

”کشف العله عن سمت قبلہ“ کا مقام لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

(۱۴) ”مفتی اعظم ہند باعتبار شیخ طریقت“ آج بھی لوگ بار بار مطالعہ کرتے

ہیں۔

(۱۵) ٹی وی کی تحقیق سے بریلی شریف کے دارالافتا کی حیثیت ہم نے ہی

واضح کی ہے۔

(۱۶) مدنی میاں کے شبہات کا ازالہ لکھ کر ہم نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں

جو آج نوشاد خفی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۷) تصویر کے متعلق مفتی اعظم ہند کے فتویٰ کے خلاف لکھنے والوں کی

زبانیں ہم نے بند کیں۔

اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی لکھے، پھر بھی ہم سے گلہ ہے کہ ہم وفادار نہیں۔

رائیگاں کبھی آپ میری وفا، میرا کیا ہوگا اٹھ کر چلا جاؤں گا

کل کہیں آپ کو پھر نہ کہنا پڑے اک جہیں چاہیے سنگ در کے لیے

ان مضامین میں ہم نے فقط یہ نہیں لکھا کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ان علوم و فنون

میں ماہر تھے، بلکہ ان کی مہارت کی مثال پیش کر کے نہایت ہی واضح انداز میں اس کی

تشریح کی ہے، اہل علم جان سکتے ہیں کہ اس میں مجھے کتنی محنت اٹھانی اور عرق ریزی کرنی

پڑی ہوگی، یہ سب کارنامے پیش کرنا ایک باغی کا کام ہے یا وفادار غلام کا؟ ہم اہل علم کی

عدالت سے فیصلہ چاہتے ہیں۔

آج ہندوستان میں فتاویٰ رضویہ سے متعلق پروفیسر سچتاند کے نام کے ساتھ

بطور استفسار ایک سوال نامہ گردش کر رہا ہے، لیکن اپنی جماعت کے وہ لوگ جو خانوادہ

رضویہ کے سچے ہمدرد اور وفادار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس سوال نامہ کو چھوتے بھی

نہیں، حالانکہ پروفیسر سچتاند کوئی معترض مخالف نہیں، بلکہ تفہیم و افہام کے طالب ہیں،

آخر ایسا کیوں؟ یہ سوال نامہ میرے پاس بھی آیا ہوا ہے اور میں اس کے حل کے لیے مواد

کی فراہمی میں لگا ہوا تھا کہ اچانک مجھے بغاوت کا تمنہ دیا گیا؛ اس لیے مجبوراً مجھے اس

میدان سے ہٹ جانا پڑا، اے کاش! حوصلہ افزائی کے چند الفاظ سے ہی سہی، میرے

احباب مجھے نوازتے۔

اسی طرح وہ پاکستانی علما جو اعلیٰ حضرت پر کام کرتے اور کراتے ہیں، جب ”عالی العطا فی الاضلاع والنزواہا“ کی طباعت فرمائی تو اس میں اعلیٰ حضرت کے آٹھ فارسی اشعار، جو علم مثلث کروی کے جملہ مسائل کو کامل طور پر محیط ہیں، علما کے سامنے برائے حل پیش کر کے فرمایا ”جن کا عکس شائع کیا جا رہا ہے، ممکن ہے کوئی فن کا ماہر ان پر تحقیق کرے اور انھیں اردو میں منتقل کر کے ارباب ذوق کو استفادہ کا موقع فراہم کر دے۔“ لیکن آج تک اعلیٰ حضرت کے وفاداروں کو ان کے حل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، اس بندہ ناچیز نے ان کے حل کے لیے مبادی و مواد فراہم کر لیے تھے، لیکن جب یہ سامنے آیا کہ مجھے بغاوت کے تمنعے سے نوازا گیا ہے تو پھر ہم نے تمام مبادی و مواد کو دریا برد کر دیا۔

نوٹ: اس مضمون کی ترتیب چونکہ نہایت ہی غلٹ کے ساتھ حالتِ علالت میں دی گئی ہے اس لیے اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو غور فرمائیں، اگر وہ محض تعبیر میں خامی ہے، تو خود ہی اصلاح کر لیں اور اگر معنوی خامی ہے جس سے میرے موقف پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو اسے نظر انداز کر دیں، اور اگر اس سے میرا موقف مجروح ہوتا ہو تو مہربانی کر کے براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کریں۔

دوسری گزارش اپنے مخالفین سے ہے کہ سرکارِ مفتی اعظم قدس سرہ کی طرف منسوب فتوے کی مستند اصل پہلے سامنے لائیں پھر پاکستانی روایت کا افسانہ کم از کم اخباروں کے عکوس ہی میں دکھائیں پھر آگے بات بڑھائیں، یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں

کر سکتے تو سرکارِ مفتی اعظم کی علمی وجاہت و ثقاہت کو مجروح کرنے سے خدا را باز آئیں،
ورنہ عندا تحقیق ظالم و باغی آپ ہوں گے، بندہ ناچیز نہیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ، جولائی ۱۹۹۹؛ تحقیقات امام علم و فن، ص: ۳۱)

20180713

ناشر

ادارہ عرفان التوقیت

فون نمبر: +92 332 3531226

fb.com/ilmetauqeet